QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

سماجی ترقی میں نسوانی شراکت اور عہدِ نبوی ﷺ کی خواتین کا کردار؛ ایک تجزیاتی مطالعہ

Feminine Contribution in Social Development and the Role of Women in the Prophet's Era: An Analytical Study

Sobia Nosheen
Lecturer, Dept. of Islamic Studies, Government College University Faisalabad Email: sobia616@gmail.com
Farida Noreen
Lecturer Arabic, Himayat-e-Islam Degree College for Women, 119-Multan Road Lahore Email: faridanoreen53@gmail.com
https://orcid.org/0009-0009-5486-4510

DOAJ OPEN GLOBAL TRUSTED
Academic Resource Index ResearchBib
Journament
CiteFactor Academic Scientific Journals
اشاریہ اردو جرائد
EOI Electronic Object Identifier
I2OR
Cosmos

Being a complete code of life Islam allocates duties of everyone whether male or female. Both have allocated sphere of liabilities. But this is always a controversial issue that a female can participate in economic activities or not. This article provides the fact of women economical activities; they were costumer, investor, and administrator of market, Beautician, Doctors, Industrialist and agrarians. Although financial liability is allocated for the male member yet we came to know sometimes female were providing supports to their family. It means modern women can get guideline from the female of prophetic era. And they can best utilize their time and uplift their financial and moral threshold.

Keywords: Role of Women, Social development, financial liability, Prophetic Era, Family Support.

انسان کو اپنی پیدائش کے ساتھ ہی قانون احتیاج باہمی سے واسطہ پڑتا ہے کہ وہ اپنے آغاز سے لے کر موت تک معاشرے کا محتاج ہے۔ اس کا جسم، خلق، عقل معاشرے کے بغیر پنپ نہیں سکتی ہیں۔ دنیا میں آتے ہی وہ ایک خاندان میں آنکھیں کھولتا ہے اور اپنی پرورش کے لیے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ پھر ہوش سنبھالتے ہیں اس کو ایک خاندان، ایک برادری، ایک بستی اور ایک قوم کی صورت میں ایک سوسائٹی سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی سے متعلقہ ہر شعبہ حتی کہ خوراک، لباس، مکان تک میں معاشرہ کا دست نگر ہوتا ہے۔ اگر یہ تمام تر سہولیات ختم کر دی جائیں تو اس کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کے اعمال اغراض اور عادات کی اجتماعی زندگی کے بغیر کوئی قیمت نہیں ہے۔ یوں انسان دوسروں کی

زندگی پر اثرانداز ہوتا ہے اور ان سے متاثر بھی ہوتا ہے۔اس لئے اس کو مدنی الطبع کہا جاتا ہے۔افراد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کے سہارے قائم ہیں اور ایک دوسرے کے نفع ونقصان میں شریک ہیں۔

اسلام اپنا ایک مضبوط اور پائیدار نظام معاشرت رکھتا ہے۔جس کے اصول وضوابط مستقل اور محکم ہیں۔جس کا پورا مزاج عدل اور انصاف سے مرکب ہے۔اور جس کے تمام اجزاء باہم مربوط اور ہم آہنگ ہیں۔یہ ایک ایسا مکمل اور جامع نظام ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں سے بحث کرتا ہے۔معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے۔اس لئے اسلام جہاں جماعتی اور معاشرتی اصلاح کرتا ہے وہیں وہ فرد کو بھی نظرانداز نہیں کرتا بلکہ اس کی اصلاح کو نقطۂ آغاز قرار دیتا ہے۔کیونکہ وہ معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور اس کی اصلاح دراصل معاشرے کی اصلاح ہے۔اس لئے اسلام کی نظر میں فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح یکساں اہمیت رکھتی ہے۔

انسانی معاشرہ کی بنیادی اکائی مرد وعورت کے باہمی تعلق سے ترتیب پاتی ہے اور اسلام نے ان دونوں کے باہمی تعلق کو قانون مدنیت یا قانون احتیاج باہمی کے تحت بامعنی حیثیت دی ہے۔وہ ہر فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس کی جداگانہ حیثیت کا بھی قائل ہے۔وہ کسی انسان کو ایک اجتماعی نظام کا جزو معطل نہیں سمجھتا بلکہ وہ ہر انسان کو معاشرے کا انتہائی اہم جزو سمجھتا ہے۔اور اس میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ اپنے اعمال کے حوالہ سے ہر فرد مستقل طور پر ذمہ دار ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا[1]

"جس نے نیک کام کیا تو اپنے لئے کیا اور جس نے برائی کی تو خود اس کے آگے آئے گی۔"

اسلامی معاشرے میں عورت اور مرد معاشرت کے دو ستون ہیں اور اس کی بنیاد پر ایک عالم گیر برادری پروان چڑھتی ہے۔دونوں کی اپنی اپنی شخصیت ہے اور دونوں سماج کے معمار ہیں۔عورتوں اور مردوں میں قانونی مساوات ہے۔دونوں کے کچھ فرائض اور کچھ حقوق ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ[2]

"میں تم میں سے کسی عمل کرنے والا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہو۔"

ایک صحت مند معاشرہ تب ہی وجود میں آسکتا ہے جب ہر انسان اپنی ذمہ داری کو بدرجہ اتم پوری کرے اور وقت کے نشیب و فراز کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو بخوبی انجام دے۔اور یہ صرف تب ہی ممکن ہے جب ہر انسان کی عزت نفس کا خیال رکھا جائے۔لیکن یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ عورت کی ذمہ داریاں اور اس کا شخصی وجود افراط و تفریط کا شکار رہا۔کبھی عورت کو عضو معطل سمجھا گیا تو کبھی صرف مرد کی خادمہ یا پھر جنسی تسکین کا ذریعہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ عورت کی ذمہ داری میں فکر معاش شامل نہیں۔تاہم ہر انسان سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اس نے

---

1 Ḥāmīm Sajdah: 46.

2 Āl-e- ʿimrān:195.

اپنی عمر کن کاموں میں خرچ کی۔ تو اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وقت کا ضیاع کسی طور قبول نہیں۔ یہ ضروری ہے کہ وقت کا بہترین استعمال کیا جائے۔

اگر ہم قدیم اقوام کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ایک بات سامنے آتی ہے کہ عورت کو تحفظ نہ تو کسی تہذیب نے دیا اور نہ کسی مذہب نے بلکہ وہ مختلف انداز میں نا صرف نظر انداز کی جاتی رہی بلکہ اس کا تقدس پامال کیا جاتا رہا۔ کبھی بیٹی کو زمین میں گاڑا گیا تو کبھی بیویوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ کبھی اسے گناہ کا منبع قرار دیا گیا تو کبھی انسان کو بہکانے والی خیال کیا گیا اور کبھی اس کی خوبصورتی کو شیطان کا آلۂ کار قرار دیا گیا۔ جہالت کی ان تاریکیوں میں اسلام نے آکر اس کا فطری مقام دلایا۔ اسے اپنی زندگی کے ازدواجی معاملات اپنی رائے سے طے کرنے کا اختیار دیا گیا۔ نہ صرف رائے دہی کی اجازت دی گئی بلکہ اسے حق تملیک بھی دیا گیا اور ماں کا رتبہ باپ سے بلند رکھ کر عورت کو ایک ترجیحی مقام عطا کیا۔ اس طرح شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی۔ یہ تو تھے عورت کے متعین کردہ حقوق میں سے چند ایک حقوق۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ اسلام نے عورت کے اندر موجود صلاحیتوں کو دبایا نہیں بلکہ ابھارا اور اسے مناسب حدود کے اندر رہ کر سعی و کوشش کی آزادی دی۔

یہی وجہ ہے کہ خواتین نے تعلیم کے میدان میں خوب جوہر دکھائے۔ چنانچہ دین اسلام نے اس امر کو لازمی قرار دیا کہ مرد اور عورت تعلیم حاصل کریں اور کہیں بھی تعلیم کو محض مرد کے لیے مخصوص نہیں رکھا گیا۔ اور خواتین نے نہ صرف قرآن سے متعلق علوم حاصل کئے بلکہ حدیث کے علم سے بھی خوب آگہی حاصل کی۔ اور نہ صرف حدیث کے روایتی معیار پر دسترس حاصل کی بلکہ درایتی معیار پر بھی احادیث کو پرکھا۔ پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں روزمرہ کے مسائل کے حل کے لیے اپنی ذہنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس طرح تعلیم کے تمام شعبوں میں ازواج مطہرات سمیت کئی خواتین کا معتبر حصہ نظر آتا ہے جو انسانی روح کو جلا بخشنے میں اور عملی زندگی کی راہ متعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ جس طرح جسم روح کے بغیر مردہ ہے بالکل اسی طرح روح جسم کے بغیر اپنی شناخت نہیں رکھتی۔ لہٰذا ان دونوں کے تقاضوں کی تکمیل از بس ضروری ہے۔ لہٰذا اس دنیا میں آنے والے ہر شخص پر کچھ معاشرتی اور کچھ معاشی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ان کو بجا لانا ہر کسی کا فرض اولین ہے۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ اسلام ہمیں سہل پسندی کی طرف راغب نہیں کرتا بلکہ بے جا نزاکت اور سہل پسندی کی نفی کرتا ہے۔ لہٰذا یہ بات طے شدہ ہے کہ خواتین اکثر اوقات اپنے گھر کے کام خود ہی کر لیا کرتی تھیں۔ لیکن اسلام نے ان کی مثبت غیر خانگی سرگرمیوں کی اجازت بھی دی۔

جب تاریخ اسلام کے عہد اول کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے خواتین کا بامعنی سماجی کردار ابھر کر سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردوں کے انتہائی غلبہ کے معاشرہ میں بھی آپ ﷺ نے پہلی وحی کے موقع پر کسی مرد کے پاس جا کر اپنا حال بیان نہیں کیا۔ بلکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیفیت وحی بیان کی، تو اس موقع پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ماہر سماجیات کے طور پر سامنے آتی ہیں اور آپ کی سماجی خدمات کے حوالہ سے آپ کے مستقبل کے کردار کی نشاندہی کرتی ہیں۔

اس طرح آپ ﷺ نے ہجرت کے سفر میں جب غار ثور میں تین دن قیام کیا، تو اس مشکل وقت میں جب دشمن آپ کی تلاش میں ہر مسلمان مرد و عورت پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھا، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا، چنانچہ اس دوران آپ کی اور اپنے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معاشی ضروریات زندگی کا خیال رکھا اور نہ صرف دشمن کو آپ کی ہوا نہ لگنے دی بلکہ اس کی سرگرمیوں سے آپ کو مطلع رکھا۔ انکی بہادری کے قصے صرف کھانا دینے تک محدود نہ تھے۔ بلکہ انہوں نے اس سارے واقعے کو راز میں بھی رکھا۔ آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر کے سفر ہجرت کے بعد ابو جہل آپ کے گھر آیا اور حضرت اسماء سے ان کے والد گرامی کا حال پوچھا تو آپ نے صاف الفاظ میں کہہ دیا" کہ وہ یہاں سے جا چکے ہیں، اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔" اس بدبخت نے اس زور سے تھپڑ مارا کہ کان کی بالی گر گئی۔"[3]

مذہبی نقطۂ نظر سے عہد نبوی کا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ شمار ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس معاشرے کی تعمیر و ترقی میں خواتین کے معاشی کردار کی نوعیت کیا تھی۔ وہ معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات میں اپنی ذمہ داری کا جوہری احساس رکھتی تھیں یا ان کی حیثیت محض ضمنی تھی جو معاشرے کے نشیب و فراز کا ادراک رکھتی ہے نہ اس کا کوئی فرض ہے اور نہ معاشرے میں کوئی کردار۔ ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کے لیے عہد نبوی ﷺ میں خواتین کی شعبہ جاتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔ جن کا معاشی ترقی میں اہم حصہ سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک کامیاب معاشرے کے لیے یہ ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام لوگ اپنی اپنی ذمہ داریوں سے نہ صرف واقف ہوں بلکہ ان کو پورا کرنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہوں نیز معاشرہ کے تمام عناصر اپنی محنت کے نتائج سے بھرپور استفادہ کا حق رکھتے ہوں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ[4]

"مردوں کے لیے اپنی کمائی میں حصہ ہے اور خواتین کے لیے اپنی کمائی میں حصہ ہے۔"

اس تناظر میں عہد نبوی ﷺ کی خواتین کے معاشی ترقی میں کردار کو آمدہ سطور میں زیر بحث لایا جا رہا ہے۔

انسانی زندگی کے دو بڑے شعبے ہیں:

۱۔ معاد ۲۔ معاش

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی تو ان دونوں شعبوں کا خیال بدرجہ اتم رکھا۔ معاد کا خیال اس طرح رکھا کہ پہلا انسان جو پیدا کیا وہ پیغمبر تھا۔ اور معاش کا خیال اس طرح رکھا کہ جنت کے اندر ہی اس کو زندگی کے تمام لوازمات مہیا کر دیئے۔ معاد کی اہمیت تو مسلمہ ہے ہی مگر یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ معاش کی اہمیت بھی خشت اول کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ معاشیات کی اہمیت ایک ناقابل انکار حیثیت ہے۔ معاشی خوشحالی کے بغیر معاشرے میں سکون و سلامتی اور یک جہتی کا حصول ناممکن رہتا ہے۔ اور قوموں کے لیے معاشی استحکام کے بغیر سیاسی اور معاشرتی آزادی کو برقرار رکھنا ممکن نہیں۔ معاشی ترقی کے لیے جہاں صنعت و حرفت، زرعی پیداوار اور تجارت ضروری ہے وہاں اس کی پائیداری کے لیے اخلاقی اور روحانی قوت بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اسلام نے اخلاق، مذہب اور معیشت کو باہم مربوط کر دیا۔

---

3 'Urwah bin Zubaīr, Mghazī Rasūlullah, trans. Saīd ur Rehmān 'alvi, (Lahore: Idara Thaqafat-e-Islamiya, 1985 AD), 41.

4 An-nisa: 32.

سرمایہ کاری اور تجارت میں خواتین کا حصہ:

کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی کا انحصار اس معاشرے کی معیشت پر ہے۔ جس قدر جس معاشرے کی معیشت مضبوط ہوگی وہ اس قدر ترقی کی راہ پر چلے گا۔ سرمایہ کاری اور تجارت معیشت کے لیے ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہے۔ سرمایہ کاری سے معاشرہ میں بہت سے افراد کو روزگار حاصل ہوتا ہے اسی طرح تجارت اشیاء کے تبادلہ کا نام ہے۔ جس کے ذریعہ افراد اپنی ضرورت اور چاہت کی اشیاء تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اس میں ایک طرف اشیاء کے لین دین کی بصیرت ضروری ہے تو دوسری طرف بازار کی نرخوں میں تارچڑھاؤ سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

انسانیت کا وہ حصہ جو بازار کے حالات سے بے خبر ہو اور اشیاء کے باہمی تبادلہ یا کرنسی کے ذریعہ حصول کے نظام کی سمجھ نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے تجارت ایک ناممکن سی بات ہے۔ دراصل معاشی ضروریات ہی انسان کو تجارت کی طرف راغب کرتی ہیں۔ جس کے بعد اس کی ذہنی صلاحیت اور بازار کے حالات سے باخبری جیسے عوامل اسے پروان چڑھاتے ہیں اور کامیاب بناتے ہیں۔

جب ہم عہد نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس امر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں خواتین کو تجارت کی سمجھ بوجھ تھی وہ تجارت کے قواعد و ضوابط سے باخبر تھیں، تجارت کے معاملات میں دلچسپی لیتی تھیں یا خواتین بازار کے کام بھی خود کیا کرتی تھیں۔

سرمایہ کاری:

آپ کی پہلی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد مکہ کی نہایت معزز اور کافی مالدار خاتون تھیں۔ انہوں نے مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور وہ سرمایہ کاری کے لیے مردوں کی خدمات، معاوضہ پر حاصل کرتی تھیں اور وہ کاروبار میں اپنی محنت کرتے جس کی اجرت حاصل کرتے تھے۔[5]

خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کے غلام میسرہ کے ساتھ مل کر قبل از نکاح حضرت خدیجہ کی سرمایہ کاری میں بطور محنت کار شریک ہوئے تھے اور بڑی کامیاب تجارت کی تھی اور آپ ﷺ کا ایک تاجرہ خاتون سے شادی کرنا بھی دراصل اس بات کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کو ایک خاتون کا تجارت کرنا نہ صرف ناگوار نہ گزرا کہ آپ خود ان کے شریک کاروبار رہے بلکہ آپ کی نظر میں ان کی یہ صنعت پسندیدہ بھی تھی م چنانچہ آپ نے ان کو شریک حیات بنانا قبول کیا۔ اسی طرح خواتین بازار میں جا کر خرید و فروخت کیا کرتی تھیں اور یہ سب کچھ ان کے لیے ممنوع نہ تھا۔

ضروریات زندگی کی خریداری:

عمرہ بنت طبخ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ اپنی ملازمہ کے ساتھ بازار جا کر میں نے مچھلی خریدی اور اس کو جھولے میں رکھا۔ لیکن چونکہ جھولا چھوٹا تھا اس لئے مچھلی کا سر اور دم باہر نکلی ہوئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو دیکھ کر پوچھا کتنے میں خریدی ہے؟ یہ تو بہت بڑی مچھلی ہے اور نفیس بھی اس سے گھر کے سب لوگ سیر ہو کر کھا سکتے ہیں۔[6]

[5] Maḥmūd Muḥmmad Riyadh, Nisa Hawl ar Rasūl, (Beirut, Dar al Maʻrifah, 2003 AD), 26-27.
[6] Jalal ud Din ʻUmrī Ansar, ʻAurat Islāmi Mʻāshre main, (Islāmī publications, 1986 AD), 148.

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بسااوقات گھریلو اشیاء کی خریداری خواتین خود بھی کیا کرتی تھیں۔ نہ صرف یہ بلکہ انہیں اشیاء کی پرکھ بھی تھی۔

بازار کا انتظام:

بازار کی ذمہ داری اس شخص کو سونپی جاسکتی ہے جو نہ صرف بازار کے حالات اور اتار چڑھاؤ سے واقف ہو بلکہ اس میں انتظامی صلاحیتیں بھی ہوں۔ چنانچہ خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی صاحب بصیرت اور پر وقار شخص شفاء بنت عبداللہ کو بازار کی ذمہ داری سونپ دیا کرتے تھے جو دراصل غمازی کرتا ہے کہ انہیں ان پر بھرپور اعتماد تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں خواتین نہ صرف تجارت کرتیں بلکہ اس کے متعلق ضروری مذہبی و سماجی معلومات بھی رکھتی تھیں۔ کیونکہ ان کا مطمع نظر دراصل "حلال رزق" کی تلاش تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت شفاء کا خصوصی خیال بھی رکھتے تھے اور ان کی رائے کو فوقیت دیا کرتے تھے۔[7]

گویا صاحب الرائے خاتون تھیں۔

تجارتی سرگرمیاں:

حضرت قیلہ انماریہ اپنی تجارت کرتی تھی اور تجارت کے اسلامی اصولوں میں حضور ﷺ سے اکثر سوال پوچھا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ عمرہ کرنے کے بعد سعی سے فارغ ہوئے آپ ﷺ حجامت بنوا کر احرام کھولنا چاہتے تھے کہ حضرت قیلہ نے آپ ﷺ سے تجارت کے متعلق سوال پوچھا۔ آپ نے اس سوال کا جواب دیا کہ میں خرید و فروخت کرنے والی خاتون ہوں تو میرا طریق کار یہ ہے کہ میں چیز کا بھاؤ اس سے زیادہ لگاتی ہوں جو میرا ارادہ ہوتا ہے پھر میں اس میں کمی کر دیتی ہوں تو آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔[8]

احرام کھولنے کے موقع پر ان کا سوال کرنا جہاں ان کے ذوق جستجو کی غمازی کرتا ہے وہاں آپ ﷺ کا فوراً جواب دینا ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ کو ان کا اس طرح سوال میں عجلت کرنا شاق نہیں گزرا بلکہ آپ ﷺ نے ان کے سوالوں کا جواب دیا اور ان کے تجارت پیشہ ہونے پر اعتراض نہ کیا۔

اس طرح اگر ہم عہد نبوی ﷺ کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ خواتین کا لین دین صرف گھریلو زندگی تک محدود نہ تھا بلکہ وہ دیگر اشیاء صرف بھی خریدتیں تھیں اور بیچتی تھیں۔ یہاں تک کہ درآمد برآمد (Improt Export) کے اسرار و رموز سے بھی واقف تھیں جو معاشی میدان کا ایک اہم ترین شعبہ ہے کہ گھریلو اشیاء صرف کے نرخ سے تو عموماً واقفیت ہوتی ہے مگر بیرون ملک سے اشیاء منگوا کر فروخت کرنے کے لیے زیادہ مہارت اور بصیرت درکار ہوتی ہے کہ ایک طرف اس علاقہ کی کرنسی کا اپنے علاقہ کی کرنسی سے نسبت کا اندازہ ہو نیز مطلوبہ چیز کی کیفیت اور کوالٹی کی جانچ ہو پھر جس ملک میں چیز فروخت کی جارہی ہے وہاں کی منڈی کے اتار چڑھاؤ پر نظر ہو۔ مگر یہ امر دلچسپی سے

---

[7] Ibn Ḥajar ‘Asqalānī, Al Isabāh, (Beirut, Dār al Ihyā’ at turath al ‘Arabi, 1966 AD), 4/340.
[8] Ibn Ḥajar ‘Asqalānī, Al Isabāh, (Beirut, Dār al Ihyā’ at turath al ‘Arabi, 1966 AD), 4/393.

خالی نہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں خواتین ان تمام تر کٹھن امور کو بخوبی جانتی تھیں۔ چنانچہ حضرت اسماء بنت مخربہ کو ان کے بیٹے عیاش بن عبداللہ بن ابی ربیعہ یمن سے عطر روانہ کرتے تھے اور وہ اس کا کاروبار کرتی تھیں۔[9]

صنعتی سرگرمیوں میں خواتین کا حصہ:

معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ دستکاریوں اور صنعتوں کو فروغ دیا جائے تاکہ لوگوں کے اشیاء صرف آسانی سے میسر ہو سکیں۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ معاشی ترقی میں دستکاریاں اور صنعتیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ عہد نبوی میں دھاگہ بنانے کے کارخانے تو موجود نہ تھے لہٰذا کپڑے کی صنعت میں (چرخہ) ہی دراصل اہم کردار ادا کرتا تھا اور پھر روئی سے دھاگہ بنا کر اس کو گھریلو کھڈی پر بن کر اس سے کپڑا تیار کرنا دراصل ایک بہت بہتر دستکاری کی حیثیت رکھتا تھا۔ عہد نبوی ﷺ میں خواتین یہ کام سرانجام دیتی تھیں۔ سوت کاتنا اور پھر اس کی بنائی کر کے کپڑا تیار کرنا دراصل صنعتی ترقی کی طرف ایک قدم تھا۔

سوت کاتنے کی صنعت:

حضرت زیاد بن اسکن نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ میں جب بھی آپ کی خدمت میں آتا ہوں تو یہ سوت کاتنے کا آلہ آپ کے ہاتھ میں دیکھتا ہوں۔ فرمایا کہ یہ شیطان کو بھگاتا ہے اور دلوں کے وسوسوں کو دور کرتا ہے۔[10]

غالباً اس سے مراد ان کی یہ تھی کہ شیطان انسان کے دل میں فقر و فاقہ کا خوف پیدا کرتا رہتا ہے اور مستقبل کے حوالہ سے وسوسے اور خیالات پیدا کرتا ہے۔ اور سوت کاتنے کے عمل میں ایک تو ذہنی مصروفیت بھی رہتی ہے اور ساتھ ہی اس کو ذریعہ معاش بھی بنایا جا سکتا ہے۔ یوں عہد نبوی ﷺ کی خواتین پیداواری سرگرمیوں میں مصروف رہتی تھیں۔

صرف عام خواتین ہی نہیں بلکہ گورنر کی بیوی بھی چرخہ کاتتی تھی۔ گویا عورتوں کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا کوئی طبقاتی مجبوری نہ تھی۔ عبداللہ القریشی ہندہ بنت المطلب کے ہاں گئے جو ایک قریشی سردار کی بیٹی اور حجاج بن یوسف جیسے بااثر گورنر کی بیوی تھیں مگر اپنے ہاتھ سے چرخہ کات رہی تھیں تو انہوں نے اظہار تعجب کیا کہ وہ گورنر کی بیوی ہو کر چرخہ کات رہی ہیں۔ اس نیک بخت خاتون نے کہا میں نے اپنے باپ کو اپنے دادا کے حوالہ سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے "عورتوں میں سے سب سے زیادہ اجر پانے والی وہی ہو گی جو زیادہ محنت کرے گی۔"[11]

اس موقع پر ہندہ بنت المطلب کا اس حدیث سے استدلال اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ یہاں محنت کے دائرہ میں وہ اعمال شامل ہیں جو دنیا میں اپنی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں سے بروئے کار لائے جاتے ہیں اور جن کے نتائج سے انسان اسی دنیا میں مستفید ہوتا ہے۔ گویا اس دور کے صنعتی

---

9 Ibn Ḥajar ʻAsqalānī, Al Isabāh, (Beirut, Dār al Ihyā' at turath al ʻArabi, 1966 AD), 4/232.

10 Muʻazam ul Ḥaq,ʻehd-e-Nabwī kā Islamī Tamadun,(Karachi: Idāra tul Qurān wal ʻulūm al Islamiyah,1991 AD), 281.

11 Tilmisāni, ʻumar bin al Khatab, trans. Muḥammad Idrīs, (Lahore: Al Badar publications, 2003 AD), 252.

عمل میں اس دور کی خواتین بھرپور شریک ہیں۔خواتین نہ صرف سوت کاتتی تھیں بلکہ کپڑا بُنتی تھیں۔ایک دفعہ ایک خاتون ایک چادر اپنے ہاتھ سے بن کر لائیں تو حضور ﷺ نے اسے قبول فرمالیا۔[12]

جوتاسازی کی صنعت:

خواتین نہ صرف کپڑے کی صنعت میں دلچسپی نہیں بلکہ جوتا بنانے کی صنعت میں بھی ان کا ایک اہم کام تھا۔چنانچہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش جو دستکاری میں ماہر تھیں، کھال کو دباغت دے کر جوتا بناتی تھیں اور اللہ کے راستے میں صدقہ کرتی تھیں۔[13]

درج بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواتین نہ صرف اپنے وقت کو ضائع ہونے سے بچاتی تھیں۔بلکہ دوسروں کی مدد بھی کرتی تھیں۔ گویا معاشرے میں اپنے کردار سے واقف تھیں۔

درج بالا شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ خواتین بنیادی قسم کی دستکاریوں سے متعلق خوب جانتی تھیں اور صنعتی ترقی میں ان کا ایک محرک کردار تھا۔

زرعی سرگرمیوں میں حصہ:

عہد نبوی میں خواتین نے امور زراعت میں بھی حصہ لیا۔چنانچہ جہاں وہ روزمرہ کی خوراک کی ضروریات کے لیے سبزی ترکاری کاشت کرتی تھیں، وہیں ان باغات کی دیکھ بھال بھی کی اور اس طرح اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کی۔

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی (طلاق کے بعد شریعت کے عمومی احکام کے تحت ان کو طے شدہ ایام جن کو عدت کہتے ہیں گھر ہی میں گزارنے چاہئے تھے لیکن انہوں نے عدت کے دوران ہی میں) اپنے کھجور کے چند پیڑ کاٹنے اور فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو ایک صاحب نے سختی سے منع کیا کہ اس مدت میں گھر سے نکلنا جائز نہیں یہ حضور ﷺ کے پاس استفسار کے لیے گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"گھر سے نکل سکتی ہو اور اپنے کھجور کے باغات کاٹو، تاکہ اس میں سے ضرورت مندوں کے لیے خرچ کر سکو یا کوئی نیک کام کر سکو۔"[14]

ان الفاظ کے ذریعے نبی اکرم ﷺ نے حضرت جابر کی خالہ کو کار خیر اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے کام کو جاری رکھنے پر متوجہ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت عورت کو اس قابل دیکھنا چاہتی ہے کہ وہ نہ صرف اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرے بلکہ اتنا کمائے کہ خدمت کر سکتے اور اُس کے ہاتھوں اچھے کام سر انجام پائیں۔

---

[12] Mu'azam ul Ḥaq,'ehd-e-Nabwī kā Islamī Tamadun, 252.

[13] Mu'azam ul Ḥaq,'ehd-e-Nabwī kā Islamī Tamadun, 249.

[14] Abū Dawūd, Kitāb as Sunan, (Riyad: Darul Hadarah, 2015 AD), Hadith No. 527.

اس حدیث سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ پاکیزہ مقاصد کے حصول اور امر خیر کی تکمیل کے لیے عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور یہ کہ دور اول کی خواتین ضروریات زندگی کے لیے بازار اور کھیت وغیرہ آیا جایا کرتی تھیں۔ کیونکہ اگر پہلے سے کوئی عمومی ممانعت ہوتی تو وہ باغ جانے کا قصد ہی کیوں کرتیں۔ اور پھر اس بحث کا بھی جواز نہ ہوتا کہ دوران عدت گھر سے باہر جا سکتی ہیں یا نہیں۔

درج بالا حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا استفسار اس بات پر نہیں کہ عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے بلکہ استفسار دراصل اس بات کا ہے کہ ان خاص ایام یعنی ایام عدت میں عورت گھر سے باہر جا سکتی ہے یا نہیں جو کہ اس بات کی غمازی ہے کہ ایک عورت کا فارغ گھر میں پڑے رہنے اور مفلوک الحال ہونے سے بہتر ہے کہ وہ باہر جا کر اپنے لئے کوشش کرے تا کہ خوشحال معاشرہ کے قیام کے لیے ہر فرد کی محنت بار آور ثابت ہوا۔

معاشی ذمہ داریوں میں خواتین کا حصہ:

خواتین جو کہ ہمیشہ سے آبادی کا ایک قابل ذکر حصہ رہی ہیں عہد نبوی میں ان کا معاشی ترقی میں نہ صرف یہ کہ حصہ تھا بلکہ انہوں نے اس بار کو بھی اٹھایا جو عموماً مردوں کے کندھوں پر ہوتا ہے یاد رہے اپنے بچوں کے علاوہ شوہر کی ضروریات کا بھی خیال رکھا اور اس کو کسی صورت ان کے لیے طعنہ نہیں بننے دیا۔

چنانچہ معروف فقیہ صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی صنعت و حرفت سے واقف تھیں۔ اس کے ذریعے سے وہ اپنے بچوں اور خاوند کے اخراجات بھی پورے کرتی تھیں۔ ایک دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

> " میں ایک کاریگر عورت ہوں چیزیں تیار کر کے فروخت کرتی ہوں۔ اس طرح میں تو کما سکتی ہوں لیکن میرے شوہر اور بچوں کا کوئی ذریعہ آمدن نہیں۔ اس لئے ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اور دریافت کیا کہ کیا اپنے شوہر اور اپنی اولاد پر خرچ کر سکتی ہیں تو آپ نے اسے باعث اجر قرار دیا۔"[15]

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ معاش کی ذمہ داری دراصل مرد پر ہے لیکن اگر کچھ خاص حالات میں عورت یہ ذمہ داری نبھا رہی ہے کہ عورت خود کما کر اپنے خاوند اور بچوں پر خرچ کرتی ہے۔ تو دراصل وہ اپنی ذمہ داریوں سے زیادہ کام کر رہی ہے اور یقیناً دوسری کی ذمہ داری بانٹنا دراصل ایک قابل تعریف کام ہے۔ لہٰذا وہ تعریف کی مستحق قرار پائیں۔

اس طرح حضرت خولہ بنت ثعلبہ کا واقعہ ہے کہ ان سے ان کے شوہر نے غیر ارادی طور پر کہہ دیا کہ آج سے تمہاری حیثیت میرے لئے میری ماں کی سی ہے۔ اس کو فقہ کی زبان میں ظہار کہتے ہیں۔ بعد میں دونوں مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ اس وقت تک اس مسئلے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا لہٰذا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ یہ سن کر بیوی نے کہا:

> " اللہ کے رسول ان کے پاس تو خرچ کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں ہی ان کا خرچ کرتی ہوں اور پھر وہ مجھ سے الگ رہ کر کس طرح زندگی گزار سکتے ہیں۔" [16]

[15]Jalal ud Din ʻUmrī Ansar, ʻAurat Islāmi Mʻāshre main,149.

بعد ازیں سورۂ مجادلہ میں آیات ظہار کے ذریعہ کفارہ کے احکام نازل ہوئے کہ اس کی ادائیگی کے بعد ازدواجی زندگی بحال ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عہد نبوی میں بھی کئی ایک ایسی مثالیں موجود ہیں کہ خواتین نے معاشی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی ہوئی تھی۔ لیکن یاد رہے کہ یہ صرف مجبوری کی صورت میں تھا ورنہ معاشی ذمہ داری مرد کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے اور نفقہ کی ادائیگی نہ صرف فرائض میں شامل ہے۔ بلکہ مقاصد نکاح میں سے ایک مقصد بھی ہے۔

طبی سرگرمیوں میں خواتین کا حصہ:

انسانی زندگی دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ا۔ جسم ۲۔ روح

روح کے لئے علم الادیان اور جسم کے لیے علم الابدان کی اہمیت مسلمہ ہے۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ عہد نبوی ﷺ کی خواتین نہ صرف گھریلو زندگی کے عام کام سرانجام دیتی تھیں بلکہ اس دور کی خواتین دایہ کا کام بھی سرانجام دیتی ہیں۔ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا جو حضرت ابو رافع کی بیوی اور حضور ﷺ کی آزاد کردہ ملازمہ تھیں۔ وہ زچگی کا کام کرتی تھیں۔ [17]

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو زچگی کی مہارت ہونا، ایک حاملہ عورت کے کام آنے کے لیے ضروری ہے کیونکہ بچے کی ولادت کے وقت ایک طرف پردے کا مسئلہ ہے کہ زچہ کا پردہ ایک مرد کے سامنے نہ کھلے۔ اور دوسری طرف اس تکلیف دہ کام میں اسے حوصلہ دیا جائے اور پھر اس کی اور نومولود کی زندگی بچائی جائے لہٰذا یہ کہنا بے جا نہیں کہ یہ کام نہایت ذمہ داری کا کام ہے چنانچہ عہد نبوی ﷺ کی خواتین اپنے فرائض سے غافل نہ تھیں۔ جو اپنے فرائض کو بوقت ضرورت بہتر انداز میں نبھایا کرتی تھیں۔

زچہ و بچہ کی دیکھ بھال کا کام تو خالص خواتین کے دائرہ میں آتا ہے لیکن امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ عہد نبوی ﷺ کی خواتین دیگر میڈیکل سائنسز کا علم بھی رکھتی تھیں۔ جس میں ایک طرف اعلیٰ دماغی صلاحیت کی ضرورت ہے تو دوسری طرف حوصلے اور فرض شناسی کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے بھانجے حضرت عروہ نے فرمایا:

> " آپ کے علم اور شاعری سے واقفیت پر تو مجھے کوئی تعجب نہیں کیونکہ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ لیکن مجھے آپ کی طبی مہارت اور اس کے علوم سے شناسائی پر بڑا تعجب ہے۔ آپ نے حضرت عروہ کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی وجہ بتائی کہ رسول اللہ ﷺ اپنی آخری عمر میں علیل ہو گئے اور ان کی خدمت میں عرب کے مختلف علاقوں سے وفود آتے وہ مفید مشورے دیتے، جن کے مطابق میں رسول اللہ ﷺ کا علاج کرتی تھی۔ میں نے یہیں سے علاج معالجہ سیکھا۔ " [18]

امن کے دنوں میں علاج و معالجہ کا فرض نبھانا نسبتاً آسان ہے لیکن امن کے دنوں سے زیادہ ضرورت اس کی زمانہ جنگ میں ہے کہ جہاں مجاہد اپنے فرض سے غافل نہیں وہاں ان کی مرہم پٹی کرنے والوں کو بھی مستعد و تیار رہنا پڑتا ہے۔

---

[16] Jalal ud Din ‘Umrī Ansar, ‘Aurat Islāmi M‘āshre main, 149.

[17] Mu‘azam ul Ḥaq,‘ehd-e-Nabwī kā Islamī Tamadun, 285.

[18] Mu‘azam ul Ḥaq, ‘ehd-e-Nabwī kā Islamī Tamadun, 217.

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں خواتین نے شعبہ طب میں جوہر دکھائے اور زمانہ جنگ میں بھی اپنے فرض سے غفلت نہ برتی جو کہ ایک طرف ان کی اعلیٰ فنی صلاحیت کی دلیل ہے تو دوسری طرف ان کی اعلیٰ حوصلہ کی۔ یہ امر غور طلب ہے کہ خواتین ڈاکٹرز نے جنگ کے دنوں میں بوقت ضرورت مردوں کا علاج بھی کیا۔

حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا نے مسجد نبوی میں خیمہ نصب کرر کھا تھا۔ جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اس خیمے میں اللہ سے اجر کے حصول کی نیت سے ان کا علاج کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اس خیمہ میں کیا گیا۔[19]

واضح رہے کہ انسانی معاشروں میں طب کا شعبہ ہمیشہ پیشہ وارانہ نوعیت کا ہے۔ اور اس کے ماہرین کو اس حوالہ سے اپنی معاشی ضروریات پورا کرنے کو ہمیشہ درست سمجھا گیا۔

آرائشی امور میں خواتین کا حصہ:

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی تخلیق کی تو اس کو کئی انداز سے مزید کیا اور وجودِ زن سے اس کائنات میں رنگ بھرا۔ سجنے سنورنے کی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اجازت دی بلکہ خاوند کے لیے سجنے سنورنے کا حکم دیا اور دوسری طرف اجنبی افراد سے پردے کا حکم دیا کہ عورت کا حسن باعث فتنہ نہ بن جائے۔ چونکہ ہر عورت خود کو بہتر انداز میں مزین نہیں کر سکتی اس لئے کچھ لوگ اس میدان میں زیادہ مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ خواتین جو اس پیشے کو اختیار کریں اور پھر باقاعدہ طور پر سر انجام دیں ان کو عربی زبان میں مشاطہ کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح کے کاموں پر اسلامی نقطہ نظر سے اجرت لینا درست ہے۔

عہد نبوی میں خواتین بحیثیت مشاطہ بھی کام کرتی تھیں۔ ان کا مقصد دراصل لڑکیوں کا بناؤ سنگھار کرنا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ازدواجی زندگی سے قبل حضرت ام سلیم کے پاس بھیج دیا تاکہ ان کا بناؤ سنگھار کریں۔ اس طرح آمنہ بنت عفان جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں مشاطگی کا پیشہ کرتی تھیں۔[20]

اس سے ظاہر ہوا کہ مشاطگی کا پیشہ آپ ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اسی طرح ایک اور صحابیہ رعلۃ القرشیہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہت زور گو، خوش گفتار اور فصاحت والی خاتون تھیں۔ انہوں نے آپ سے عرض کی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اب تو میں دادی بن گئی ہوں۔ خاوندوں کے لیے عورتوں کو دلہن بناتی ہوں۔ بناؤ سنگھار کرتی ہوں۔ اس لئے مجھ کو لشکر میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملتا۔ کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ لہٰذا مجھے کچھ بتائیے، کچھ سکھائیے تاکہ میں بھی اللہ جل شانہ کا تقرب حاصل کر سکوں۔ حضور ﷺ نے ان باتوں کو سن کر تبسم فرمایا دلہن بنادیا کرو اور ان کو مزید کر دیا کرو۔[21]

---

[19] Abdassalām Nadwi, Siyar us Sahaba

[20] Mu'azam ul Ḥaq, 'ehd-e-Nabwī kā Islamī Tamadun, 282.

[21] Mu'azam ul Ḥaq, 'ehd-e-Nabwī kā Islamī Tamadun, 282.

رعلة الفرشیه کی بات پر آپ ﷺ کا تبسم فرمانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ خاوندوں کے لیے عورتوں کو مزین کرنا آپ کی نظر میں ایک نہایت پسندیدہ فعل ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے اللہ کے تقرب حاصل کرنے کا طریقہ پوچھا تو آپ ﷺ نے مسکرا کر جواب دیا کہ دلہن بنادیا کرو۔ گویا یہ عمل بھی نیکی کا شمار ہو گا کہ مقصد شوہر کی نظر میں بیوی کی حیثیت کو نمایاں کرنا ہے۔ یاد رہے کہ سر عام بناؤ سنگھار اور تبرج کی ممانعت ہے۔ لیکن اپنے خاوند کے لیے سجنا سنورنا نیکی کا کام ہے۔ نیز شخصیت کو باوقار رکھنا بھی ضروری ہے۔

خلاصۂ کلام:

اسلام نے عورت کی جدوجہد کو صرف علم وفکر کے میدان تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کی پرواز عمل کے لیے اسے وسیع فضا مہیا کی۔ وہ جس طرح علم وادب کی راہ میں پیش قدمی کر سکتی ہے اس طرح طب وزراعت، تجارت اور صنعت وحرفت میں بھی ترقی کا حق رکھتی ہے۔ چنانچہ اس کی مختلف پیشوں اور صنعتوں کو اپنانے اور ملی اور اجتماعی خدمات سر انجام دینے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے تاکہ اس میں سماجی معاملات سے متعلق آگہی کے ساتھ عملی قابلیت بھی پیدا ہو۔

اسلام نہیں چاہتا کہ عورت اجتماعی سر گرمیوں سے بالکل کنارہ کش رہے اور اپنے دائرے سے باہر کوئی بھی کام سر انجام نہ دے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ کامیاب سماجی جدوجہد سے ایسے صفات کو فروغ ملتا ہے جو ایک کامیاب انسان کے لیے ضروری ہیں مثلاً جفاکشی، سادگی اور استقلال وغیرہ۔ جب عورت سماجی زندگی کی کش مکش سے دور رہتی ہے تو وہ تکلف وتصنع، عیش وراحت، نازک طبعی اور غیر مستقل مزاجی جیسی منفی خصوصیات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اسلام ان کو مذموم صفات قرار دیتے ہوئے معاشرے کے ہر فرد کو زندگی کے شدید حالات کا مقابلہ نہایت جری انداز میں کرنے کی طرف داری کرتا ہے۔ گو کہ معاش کی ذمہ داری خواتین پر نہیں ڈالی گئی تاہم کمائی کرنے اور اپنے آپ کو مصروف رکھنے میں بہتری ہے اور بلاوجہ وقت کا ضیاع بہتر نہیں۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ آج کی عورت مختلف قسم کی سر گرمیوں میں حصہ لے رہی ہے۔ مسئلہ صرف سر گرمی کا نہیں بلکہ مثبت سر گرمیوں کا ہے۔ تاکہ معاشرے میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔ اگر ہم خواتین کی صلاحیتوں کو دبائیں گے تو اس سے بھی نقصان کا اندیشہ ہے کہ ایک انسان جو کہ اپنے وقت کا بہتر مصرف کر سکتا ہے۔ وہ نہ کرے اور صلاحیتوں کو زنگ لگ جائے۔ نیز خواتین خود کو بلاوجہ کی مصروفیات میں مگن رکھیں گی جیسا کہ گھریلو خواتین زیادہ وقت ان باتوں میں ضائع کرتی ہیں جسکا کچھ حاصل نہیں۔ دوسری طرف انتہا یہ ہے کہ مرد تمام تر معاشی ذمہ داری عورت پر ڈال کر تماش بین بن جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے خانگی فرائض میں کوتاہی ہوتی ہے۔ اگر خواتین کو غیر خانگی سر گرمیوں میں ضرورت سے زیادہ مصروف کر دیا جائے گا تو خانگی امور کا توازن بگڑ جائے گا۔ اور فرض اولین سے غفلت صحت مند معاشرے کو جنم نہیں دے سکتی۔ ان دو انتہاؤں سے دامن بچا کر چلنے میں ہی عافیت ہے۔ اور صحابیات کی زندگی کا مطالعہ ہمارے دیرینہ اور موجودہ مسائل کا حل پیش کر سکتا ہے۔